

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی :

ڈاکٹر مصطفیٰ خاں کی اقبال شناسی

(۱)

”عقائد کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے، اور اخلاق سے جذبات متاثر ہوتے ہیں۔ پھر شعوری یا غیر شعوری طور پر جذبات سے کلام بھی اثر پذیر ہوتا ہے۔ جو لوگ ظاہر و باطن میں فرق رکھتے ہیں، تھوڑی دیر کے لیے زبان و بیان کی خوبی یا تجربات و مشاہدات کی ترجمانی سے یقیناً اثر آفرینی کر سکتے ہیں، لیکن ایسا اثر دہرا نہیں ہوتا۔ عبارت کی رنگ آمیزی، رونا بسورنا، تمثیلی حرکات و سکنات وغیرہ، بہت سی چیزیں ہیں، جن سے ایک فن کار فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، اور ظاہری رکھ رکھاؤ کے باوجود فسانہ و فسوں بن کر رہ جاتا ہے۔ فن میں جب اخلاق، اور حقانیت کا پیوند لگ جاتا ہے تو پھر اس کے ذریعے کردار کی تعمیر ہو سکتی ہے، اور جہاں تازہ کی نمود بھی ہوتی ہے۔“

جو لوگ اقدار حیات اور زندگی (اور فن کی تخلیق) میں عقائد، اخلاق، حقانیت، خلوص اور تعمیر کردار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، وہ تو شاید اس اقتباس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر آگے بڑھ جائیں گے (اور ان کی اس کوتاہی فکر و نظر پر انہیں معذور سمجھنا چاہیے) لیکن اہل بے بصریت حسب قدر غور کریں گے، اس کی صحت و حقانیت واضح تر ہوتی چلی جائے گی۔ یہ اقتباس،

محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے ایک مضمون ”اقبال“ کے ذہنی عقائد“ سے لیا گیا ہے (معارفِ اقبال طبع دوم ص ۱۰۳)۔ ڈاکٹر صاحب موصوف ایک سائنس عالم، بلند پایہ ادیب اور مایہ ناز محقق و ناقد — اور سب سے اہم یہ کہ انسانیت کی قابل قدر خوبیوں سے مالا مال ہیں۔ ان کی دل نواز شخصیت کے تناظر، اور عمومی انسانی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں یہ اقتباس اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اس سے ہمیں لکھنے والے کے ذہنی سانچے اور ترجیحات و معیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے تحقیقی و علمی سرمائے میں خاصا تنوع ہے، مگر اس پر موصوف کے مخصوص ذہن و ذوق کی ایک چھاپ نظر آتی ہے۔ موضوعات کے انتخاب کے علاوہ ان کے علمی و ادبی طریق کار میں بھی ان کا مخصوص ذوق جھلکتا ہے۔ ”اقبالیات“ آپ کے اہم علمی موضوعات میں سے ہے، اور اس کے اختیار و انتخاب میں بھی آپ کا متذکرہ ذوق کارفرما ہے۔ اقبالیات پر آپ کی دو بلند پایہ تصانیف ”اقبال اور قرآن“ اور ”معارفِ اقبال“ اقبال صدی (۱۹۷۷ء) کے زمانے میں شائع ہوئیں، مگر علامہ اقبال اور ان کے فکر و کلام سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی دلچسپی بہت پرانی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ جس زمانے میں وہ ناگپور یونیورسٹی میں شعبہٴ اردو کے صدر تھے، انہوں نے: ”میٹارک سے لے کر ایم اے تک ہر کلاس میں علامہ اقبال کے کلام کو داخل کرادیا“ اور بعد ازاں، حسبِ موقع کراچی اور بعد میں سندھ یونیورسٹی میں بھی یہی طریق کار اختیار کیا (دیباچہ: ”اقبال اور قرآن“ ص ۵) اقبالیات سے ان کی طویل رفاقت و وابستگی کا حاصل ان کی متذکرہ بالا دو تصانیف ہیں۔ پچاس سالہ علمی و فکری ارتباط کا نتیجہ

صرف دو کتابیں؟ قامت و مقدار کے اعتبار سے یہ سرمایہ علمی بہت تھوڑا محسوس ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی معنوی حیثیت سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا حاصل تحقیق و تنقید اقبالیات کے کئی دفتروں پر بھاری ہے۔

(۲)

”معارفِ اقبال“ نو مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ مقالات، مختلف اوقات میں لکھے گئے اور شاید اسی لیے ان کے موضوعات میں خاصا تنوع ہے۔ کلامِ اقبال کا تاریخی و سیاسی پس منظر، اقبال کا نظریہ شعر و ادب، اقبال اور حدیث، اقبال اور عشقِ رسول، اقبال کے دینی عقائد، اقبال اور ترک، اقبال اور برگساں، اقبال اور تصوف۔ یہ سارے موضوعات، تنقیدِ اقبال کے اہم پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ بعض مضامین تو بہت مختصر ہیں، جیسے: ”اقبال کے دینی عقائد“ (تین صفحے) مگر بعض خاصے تفصیلی ہیں، جیسے: ”اقبال اور حدیث“ (پندرہ صفحے) یا ”اقبال اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم“ (بیالیس صفحے)۔ دیکھا جائے تو یہ تفصیلی مضامین، ڈاکٹر صاحب کے مرغوب موضوعات پر اور ان کی اسی ذہنی افتادِ طبع کے مطابق ہیں، جس کا ذکر اوپر کی سطور میں، ایک اقتباس کے حوالے کیا گیا ہے ”کلامِ اقبال کا تاریخی و سیاسی پس منظر“ اقبال کی شاعری کو سمجھنے کے لیے ایک طرح سے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مضمون کو پڑھتے ہوئے تاریخ، سیاسیات، عمرانیات اور عالمی ادب کے شعبوں میں ڈاکٹر صاحب کی وسعتِ مطالعہ اور عمقِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال کے بیشتر نقادوں نے ان کے کلام کو تین یا چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:

(۲۵۲)

(۱) ابتدا سے ۱۹۰۵ء تک

(۲) ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک

(۳) ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۳ء تک

(۴) ۱۹۲۳ء سے آخر تک

مگر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کو اس تقسیم سے اتفاق نہیں۔ انہوں نے کلام اقبال کو اس کی نوعیت کے اعتبار سے اس طرح تقسیم کیا ہے:

(۱) ابتدا سے ۱۹۱۱ء تک

(۲) ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۳ء تک

(۳) ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۸ء تک

یہ ان کی منفرد سوچ اور مطالعے کا نتیجہ ہے۔ مختلف ادوار کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے، نہایت خوبی کے ساتھ، اس کے سیاسی پس منظر اور تاریخی واقعات کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ”اقبال اور حدیث“ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے وسیع دینی مطالعے اور حدیث نبوی ص پر ان کی گہری نظر کا ثبوت ہے، اگرچہ اس مطالعے کو انہوں نے صرف ”اسرار و رموز“ تک محدود رکھا ہے، پھر بھی اپنی نوعیت میں سیر حاصل ہے۔ اقبال کے جن اشعار ہیں، احادیث کے بعض اجزا واضح طور پر نظر آتے ہیں، جیسے:

آنکہ خا شاکِ بتاں از کعبہ رفت

سرد کا سب را حبیب اللہ گفت

(الکاسب حبیب اللہ) یا:

تا کجا در روز و شب باشی امیر

رمزِ وقت از لی مع اللہ یادگیر

(لی مع اللہ وقت) یا :

زندگی از دهر و دهر از زندگی است

لاتسبُو الدهرِ الدهرِ فرمانِ نبی است

(لاتسبُو الدهرِ فان الدهرِ وغیره یہاں تو متعلقہ احادیث کی نشان دہی کرنا اس قدر مشکل نہیں، مگر جن اشعار میں، اجزائے حدیث یا الفاظ حدیث کے بجائے، محض مفہوم احادیث کی طرف اشارے کیے گئے ہیں ان کی نشان دہی حدیث کے وسیع مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔ اس مضمون میں محترم ڈاکٹر صاحب ایسے اشارات کے ماخذات بھی، بہ سہولت و بلا تردد جمع کرتے چلے گئے ہیں، مثلاً: شعر ہے۔

ناز بخشش ہاے آن سلطانِ دین مسجدِ ما شد ہم روے زمیں
حدیث: وَجَعَلَتْ لِي الْأَرْضَ مَسْجِدًا وَطَهْرًا... اسی طرح
ایک اور شعر ہے :

گفت آن مقصودِ حرف کنِ فکان زہرِ پلے اسماتِ آمدِ جنان
حدیث: الجنة تحت اقدام الامهات۔

علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں بعض احادیث کا ذکر بھی کیا ہے، جن کی سند و ثقاہت مستحکم نہیں ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اس پہلو کی نشان دہی بھی کردی ہے، مثلاً :

ہر کہ در آفاقِ گردِ بوتراب

باز گرداند ز مغرب آفتاب

یہاں انہوں نے بتایا ہے کہ دوسرے مصرعے میں ایک ضعیف روایت کی طرف اشارہ ہے (کہ آپ ص، حضرت علی رض کے زانو پر سر رکھے سو رہے تھے۔ نماز عصر کا وقت نکل گیا۔ بیداری پر حضور ص نے دعا کی تو سورج واپس آگیا) یا شعر ہے :

جلوہ اور قدسیاں را سینہ سوز
بود اندر آب و گل آدم هنوز

اس کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اس کی بنیاد ایک موضوع حدیث ہے (کہ میں نبی تھا اور آدم ابھی ماء و طین کی منزل میں تھے)۔

”اقبال اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم“ اس مجموعے کا ایک اور اہم اور قابل توجہ مضمون ہے۔ یہ علامہ اقبال کا ایک بہت پسندیدہ اور مرغوب موضوع ہے، جس پر انہوں نے بکثرت اور متنوع انداز میں اردو اور فارسی شاعری کے علاوہ نثر میں بھی اظہار خیال کیا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے زیر نظر مضمون کے آخر میں ہتے کی بات کی ہے۔ فرماتے ہیں: ”جس طرح علامہ اقبال نے اسلام کو سمجھنے کے لیے ایک نئے انداز فکر کی تشکیل کی تھی، اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کے لیے ایسے نکات کی نشان دہی کی ہے، جو عموماً اہل علم سے پوشیدہ ہیں۔“

”اقبال اور برگساں“ قدرے مختلف نوعیت کا مضمون ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ دونوں مفکروں کے خیالات کے قرب و بعد پر بحث کی ہے۔ زیر نظر مجموعے کے مقدمہ نگار پروفیسر وقار احمد رضوی نے، اسے بہت اچھوتا مضمون قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ”اس مقالے کو پڑھ کر مجھے کئی باتیں معلوم ہوئیں، جن میں اکثر الجھا رہتا تھا۔“

بحیثیت مجموعی، ان مضامین کو پڑھتے ہوئے، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی علمیت اور ایک متوازن لب و لہجے اور معنی و مغز سے باثروت انداز و اسلوب کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں

نے علامہ اقبال کے ہاں، ان کی معنویت اور حقیقت نگاری کو سراہتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ کوئی انہیں شاعر سمجھے یا نہیں۔ (ص ۴۴) بعینہ بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے نقد و تنقید کے مروجہ انداز و رجحانات کی تعلیم کے بجائے اپنی بات کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ حقائق و حکمت اور معارف و بصائر کا پہاؤ زیادہ اجاگر ہو گیا ہے۔

(۳)

قرآن پاک کے ”مطالعے سے اپنا اطمینان خاطر روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔“

(علامہ اقبال)

”قرآن پر میں زیادہ اصرار کرتا ہوں کہ اس کے فوائد میرے تجربے میں آچکے ہیں۔“

”وہ جو کچھ سوچتا تھا: قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا۔ جو کچھ دیکھتا تھا، قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔ حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شے واحد تھی، اور اس شے واحد میں اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ اس دور کے علمائے دین میں بھی، مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو فنائیت فی القرآن میں اس امام فلسفہ، اور اس ایم اے، پی ایچ ڈی، ہار ایٹ لا سے لگا کھاتا ہوں۔“

(سید ابو اعلیٰ مودودی)

”اقبال کی شاعری تمام قرآنی تعلیمات پر مبنی، اور اس کا پس منظر قرآن ہی قرآن ہے۔۔۔ خود ان کی تحریروں سے بھی یہی

ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ اخذ کیا ہے وہ سب قرآن حکیم سے کیا ہے۔ آنچ، کردم ہم از دولتِ قرآن کردم۔“
(قاضی احمد میاں اختر جوناز گڑھی)

اسی طرح خلیفہ عبدالحکیم کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ: ”اقبال، قرآن کا شاعر ہے۔“ دراصل علامہ اقبال کو قرآن حکیم سے ایسا گہرا شغف تھا، اور انہوں نے قرآن حکیم سے ایسی قلبی و دماغی وابستگی پیدا کر لی تھی کہ وہ جو کچھ لکھتے یا کہتے کسی نہ کسی انداز میں، کسی نہ کسی سطح پر، براہ راست یا بالواسطہ وہ قرآنی مطالب و مفہیم کی ہی تشریح و تعبیر ہوتی۔ اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ قرآن، فکرِ اقبال کا سب سے بڑا موضوع ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی دوسری کتاب، اقبال کے اس اہم ترین موضوع پر ہے۔

”اقبال اور قرآن“ اقبال صدی کے اٹھارہویں پروگرام کے تحت، ان سے بطور خاص لکھوائی گئی تھی۔ فرماتے ہیں، ”اللہ پاک کے خصوصی انعام کی وجہ سے مجھے قرآن سے متعلق یہ کام عنایت ہوا، جو میں نے بحمد اللہ چند ماہ میں مکمل کر لیا“ (دیباچہ، ص ۵) مگر چند ماہ میں مکمل ہونے والی یہ کتاب ان کے برسوں کے مطالعہ قرآن کا نچوڑ اور اس کے مطالب و مفہیم تک رسائی کی دلیل ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں، قرآن سے متعلق علامہ اقبال کے خیالات، نظریات اور واقعات درج کیے گئے ہیں۔ بعدہ ان کے ہر مجموعہ کلام کے قرآنی مضامین کو حتیٰ الامکان جمع کر لیا گیا ہے یہ مطالعہ شعر بہ شعر ہے۔ کلام اقبال کے جملہ مجموعوں کے ساتھ انگریزی خطبات کے اشارات اور ان سے مماثل آیات قرآنی بھی جمع کی گئی ہیں۔

اقبال کے بعض اشعار میں تو قرآنی آیات یا ان کے اجزاء مذکور ہیں، ان کے حوالے سے قرآن ہا کب کے اصل حوالے تلاش کرنا شاید زیادہ مشکل نہیں، جیسے :-

صرصرے دہ با ہوائے ہادیہ انھم اعجازُ نخلِ خاویہ

تاز مازاغ البصر گہرد نصیب بر مقام عبده گرد رقیب
ایسے اشعار، جن میں آیات مذکور نہیں، اور ان کے مطالب کی طرف محض اشارات کیے گئے ہیں، تحقیق طلب تھے۔ ”قرآن اور اقبال“ کا زیادہ حصہ اسی نوع کی تحقیق پر مشتمل ہے۔ چند مثالیں دیکھیے :

ع نور حق بچھ نہ سکے گا نفس اعداء سے
يُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَسْوَءِ هِيْمٍ وَيَاْبَسُوْا اللّٰهَ اِنَّهٗ
يَسْتُوْرُ نُوْرَهٗ (توبہ : ۳۲)

ع سرِ فاران پر کیا دین کو کامل توئے
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِيْ
وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنَا (مائدہ : ۳)

ع دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِّلنَّاسِ
ایک دو مثالیں، انگریزی خطبات سے: پہلے خطبے میں
علامہ، ایک جگہ کہتے ہیں: ”وہ [مذہب] ہمیں توقع دلاتا ہے کہ
ذات مطلق کا بلاواسطہ لیا ممکن ہے“ قرآن حکیم میں آتا ہے:
فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ (الكهف : ۱۱۰) بَرَّ بِرَبِّهٖ، فَلْيَعْمَلْ
عَمَلًا صَالِحًا وَّتَلَا يَشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ، اَحَدًا
پہلے ہی خطبے میں علامہ لکھتے ہیں:

”مذہب کا جوہر ہے ایمان، اور ایمان کی مثال یہ ہے کہ پرند کی طرح اپنا ’بے شان‘ رامت دیکھ لیتا ہے“ یہ ماخوذ ہے آیت شریف
 الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (البقرہ : ۳) سے، وغیرہ۔ یہ سب کچھ قرآن
 مجید کے مالاہا سال کے مسلسل اور مستقل مطالعے، غور و فکر اور تدبر
 کے بغیر ممکن نہیں۔ مشق و مزاوت ہی سے یہ ممکن ہوا کہ
 ڈاکٹر صاحب نے برسوں کے اس کام کو، جسے پہاڑ کام کہنا چاہیے
 مہینوں میں مکمل کر لیا۔ کوئی اور شخص ہوتا تو ہزار صفحات کی
 یہ کتاب مکمل کرنے میں برسہا برس صرف ہوتے۔ ان کے ایک قریبی
 رفیق ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے بڑی نکتے کی بات کہی ہے کہ :
 ڈاکٹر صاحب کے وقت میں بڑی برکت ہے“ (ماہنامہ ”قومی زبان“
 کراچی، اپریل ۱۹۸۸ ص ۲۷)۔ یوں معلوم ہوتا ہے، ”اقبال اور
 قرآن“ اسی ”برکت“ کا ثمر ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کام کو، جو فی الحقیقت ایک
 عظیم الشان علمی کارنامہ ہے، ڈاکٹر صاحب نے کسی ادعا کے
 بغیر پیش کیا ہے۔ ایک ڈیڑھ صفحے کا مختصر سا دیباچہ ہے، جس
 میں نہایت انکسار کے ساتھ، زیر تحقیق کام کی نوعیت اور اپنے
 طریق کار کی وضاحت کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس تالیف کو،
 اقبالیات کی نصف صدی کی بہترین کتاب قرار دیا گیا تو بجا ہے۔